عظمت کے نقوش

سیّد محمد یونس بخاری

بطلِ حریت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ کی یاد میں

توکہ اقلیم خطابت کا شہنشاہ بھی تھا
اک قلندر کی طرح مردِ خودآگاہ بھی تھا
ایک درویش خدا مست وبہی خواہ بھی تھا
ھمرہ تیغ زبان سیّد جنگاہ بھی تھا

تونے مجبور زبانوں کو نوا دی جس دم
انقلابات کے تذکار تھے گردن زدنی
جس نے آزاد فضاؤں کا کبھی نام لیا
اس پہ تیار تھی ہر وقت ہی نیزے کی انی

لوحِ تاریخ پہ کندہ تیری عظمت کے نقوش
تونے تخ بستہ عزائم کو حرارت بخشی
خال وخد ملت ترساں کے سنوارے تونے
حریت کیش رفیقوں کو جسارت بخشی

عرصۂ جہد کو پُر کیف کیا تھا تونے
چشمۂ علم کو عرفان دیا تھا تونے
تخت افرنگ کی زنجیر غلامی کاٹے
ملت پاک کا ہر چاک سیا تھا تونے

ماہر القادری

تحریکِ آزادی کا مقدمۃ الجیش

میری جوانی کا زیادہ تر حصّہ حیدر آباد دکن میں گذرا ہے، یو۔ پی، پنجاب، بہار اور دوسرے صوبوں کے مشاہیر کے حالات اور خبریں، دکن ہی میں دوسروں کی زبانی سُنا کرتا تھا۔ مولانا سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ کی تقریر و خطابت کی شہرت میں نے وہیں سُنی اور تواتر کے ساتھ اہلِ علم کی زبانی سنی، اخبارات میں بھی ان کا ذکر آتا تھا دل چاہتا تھا کہ شاہ صاحب (مرحوم) سے ملوں، بات چیت کروں اور ان کی تقریر سنوں! مگر شاید میری یہ تمنّا خام تھی۔ اس لئے مشیت کا ایما رہا۔

اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

میں حیدر آباد دکن سے اپنے وطن سال کے سال آیا کرتا تھا ایک بار اپنے ایک عزیز کے یہاں علی گڑھ میں آکر ٹھہرا تو ایک صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ پرسوں مسلم یونیورسٹی میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تقریر تھی۔ یہ خبر سن کر اپنی محرومی پر افسوس ہوا کہ میں آج کی بجائے، دو دن پہلے آجاتا، تو شاہ صاحب کی تقریر سننے کا ارمان پورا ہوجاتا۔ یہ میں بائیس برس پہلے کی بات بیان کر رہا ہوں۔

اُن صاحب نے بتایا کہ شاہ صاحب کی خطابت نے سننے والوں پر جادو سا کر دیا خاصی طویل تقریر فرمائی، مگر سامعین نے ذرا سی بھی اکتاہٹ محسوس نہیں کی، شاہ صاحب نے فرمایا!

"سیفٹی ریزر سے گالوں کو کھرچنے سے جوانی ظاہر نہیں ہوتی، جوانی تو وہ ہے جو رخساروں کے بال بال سے پھوٹ نکلے ...."

طلبا اور پروفیسروں کی غالب اکثریت "ڈاڑھی منڈوں" کی تھی، شاہ صاحب کے یہ جملے سن کر وہ نادم سے ہوگئے اور کسی کے تو سنا ہے ماتھے پر پسینہ آگیا۔

قائد ملت نواب بہادر یار جنگ مرحوم، جو خطابت میں اپنی نظیر آپ تھے، مولانا ابوالکلام

آزاد اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تقریر سننے کا اشتیاق رکھتے تھے، ایک بار انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ مولانا آزاد سے ٹرین میں ملاقات ہوگئی، کئی گھنٹے اُن کا ساتھ رہا، میں نے ان سے "اجتہاد" کے بارے میں دریافت کیا، بولے:۔ "نواب صاحب!

اگر دین میں اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا، تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ "سعادت و فلاح" کی راہ میں دیواریں کھڑی کر دی گئیں ......"

نواب صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولانا آزاد کی بات چیت ہی میں "تقریر و خطابت" کا لطف آگیا مگر نواب بہادر یار جنگ مرحوم کی شاہ صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی۔ خود شاہ صاحب بھی نواب صاحب سے ملنے کی تمنا رکھتے تھے۔

بعض اربابِ ذوق شاہ صاحب مرحوم کے جملوں کی نقل انہی کے لہجہ میں کرتے، ایسی باتوں نے میری آتشِ شوق کو اور تیز کر دیا ایک صاحب نے بیان کیا کہ گونڈے میں شاہ صاحب نے عشاء کے بعد تقریر شروع کی ہے۔ تو فجر کے وقت یہ شعر ؎

محفل خموش، صبح کے آثار جلوہ گر
اب حکم ہو تو ختم کروں داستاں کو میں

اپنے مخصوص دل کش ترنم میں پڑھا اور تقریر جب ختم کی ہے تو سپیدہ سحر نمودار ہو رہا تھا۔ اور لوگ محسوس کر رہے تھے کہ ان کا سامعہ سچ مچ رات بھر "کوثر و تسنیم" میں ہلکورے لیتا رہا ہے ـــ" خطابت شاہ صاحب کی کرامت تھی۔"

(غالباً) ۱۹۴۴ء کا واقعہ ہے کہ لائل پور کاٹن ملز کے مشاعرے میں میرا لائل پور جانا ہوا۔ اور وہاں جا کر یہ مژدہ ملا کہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ان دنوں یہاں آئے ہوئے ہیں! جناب انور صابری پہلے سے لائل پور میں براجمان تھے۔ وہ شاہ صاحب سے مل بھی چکے تھے۔ میں نے شاہ صاحب کا ذکر چھیڑا تو بولے، میں تمہیں لے کر ابھی ابھی شاہ صاحب کی قیام گاہ پر چلوں گا۔ وہ بھی تم سے ملنے کا اشتیاق رکھتے ہیں!

شاہ صاحب مرحوم کے یہاں جو پہنچنا ہوا تو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور خوب بھینچ بھینچ کر بغل گیر ہوئے ان کی اس پذیرائی، غیر معمولی شفقت اور خورد نوازی کو دیکھ کر میں "فرشِ پا انداز" ہوا جاتا تھا۔ بیٹھتے ہی بولے۔

"تمہارے شعروں سے میں کیا کام لیتا ہوں ... یہ میری تقریروں سے معلوم ہوگا۔"

پھر ان کے ایما پر شعر خوانی ہوئی ایک غزل سنا چکتا تو دوسری کے لئے فرمائش کرتے، داد دینے کا انداز والہانہ تھا، میں نے زندگی میں بہت ہی کم لوگوں کو اتنی صحیح اور معقول داد دیتے ہوئے دیکھا ہے۔

دوسرے دن شام کو شاہ صاحب کی تقریر تھی، ان کی تقریر سننے کا اشتیاق کشاں کشاں مجھے جلسہ گاہ میں لے گیا، شاہ صاحب نے تقریر کے آغاز ہی میں فرمایا۔

"دو آدمیوں کی دو تمنائیں تھیں ایک کی تمنا پوری ہوگئی یعنی میں نے ماہر القادری کا کلام ان کی زبان سے سن لیا، ماہر القادری میری تقریر سننے کی تمنا رکھتے ہیں، مگر میں اتنے بہت سے پنجابی بولنے والوں کو نظر انداز کر کے صرف ان کے لئے "اردو" میں تقریر کیسے کروں؟! مگر پھر بھی میں اپنی تقریر میں ماہر القادری کے ذوق و تمنا کی رعائت ملحوظ رکھوں گا۔"

حضرت شاہ صاحب نے ملی جلی اردو اور پنجابی میں تقریر کی یہ غالباً ان کا پہلا تجربہ تھا زبان کی اس دو رنگی اور "دو عملی" نے تقریر میں خاصہ تکلف پیدا کر دیا اتنے میں ایک صاحب کار لے کر مجھے لینے آ گئے۔ ڈپٹی کمشنر کے یہاں شاعروں کا ایٹ ہوم تھا۔

اس واقعہ کے دو ڈھائی سال بعد، دلی میں شاہ صاحب کی تقریر کا اعلان ایک پوسٹر میں نظر سے گذرا، میں رات کو ٹھیک وقت پر جلسہ گاہ میں پہنچا، ہزاروں کا مجمع پہلے سے موجود تھا اور لوگ آئے چلے جا رہے تھے، شاہ صاحب نے کلام پاک کی تلاوت کے بعد میر کے اس شعر سے اپنی تقریر کا آغاز کیا ؎

اک موج ہوا پیچاں اے میرؔ نظر آئی
شاید کہ بہار آئی، زنجیر نظر آئی

یہ وہ زمانہ تھا جب وہ مسلم لیگ کے شدید مخالف تھے اور سیاست میں مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کے مسلک کے پورے پورے متبع اور مقلد تھے شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا۔

"اتنا بڑا مجمع کہ یہاں سے تھالی اچھال دوں تو شاید ایک فرلانگ تک وہ تھالی سروں ہی پر اچھلتی اور تیرتی رہے مگر میں سننے والوں کی اس بھیڑ سے کچھ خوش نہیں ہوں تم لوگ کانوں کے عیاش ہو تم تقریر کے چٹخاروں کی طرح یہاں آئے ہو دوسرے کیمپ والوں کا جلسہ ہوتا ہے تو وہاں بھی تم اسی ذوق

وشوق کے ساتھ جاتے ہو"

شاہ صاحب نے جب تقریر ختم کی ہے، تو تین گھنٹے ہو چکے تھے، مگر محسوس یہ ہو رہا تھا کہ تقریر شروع ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی شاہ صاحب کی شگفتہ بیانی نے وقت کی طوالت کا احساس ہی نہیں ہونے دیا ورنہ ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد بڑے سے بڑے خطیب اور مقرر کی تقریر کھلنے لگتی ہے۔

اس کے بعد ۱۹۴۸ء میں انہیں ملتان میں بسوں کے اڈے پر اس حالت میں کھڑے دیکھا کہ میلے کچیلے کپڑے پہنے تھے اور ہاتھ میں خاصا لمبا لٹھ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ میں قیام پذیر تھے اور مشہور یہ تھا کہ سیاست سے علیحدہ ہو چکے ہیں اور خاموش زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پھر شاہ صاحب نے ملتان کو اپنی اقامت گاہ بنا لیا۔ ٹبی شیر خان کے ایک معمولی سے کچے مکان میں رہتے تھے۔ میں دو بار ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بڑے مزے کی چائے پلائی "چائے کے ساتھ کچھ "لوازمات" بھی تھے اور ان سب سے بڑھ کر ان کے لطیفے اور چٹکلے (چائے کی پیالی میں ان کے تبسم کی شکر گھل جانے سے لطف دوبالا ہو گیا۔ پہلی بار کی حاضری میں مجھ سے کہا اپنا "سلام" سناؤ، میں نے عرض کیا، آپ تو کئی بار سن چکے ہیں، فرمایا "بھئی کچھ پردے میں رہنے والے بھی آپکا "سلام" سننا چاہتے ہیں"

خاصی دیر تک شعر خوانی رہی، میرے اصرار پر اپنی فارسی نعتیہ غزلیں بھی سنائیں۔ شاہ صاحب کے بوریئے پر بیٹھ کر، شعر سننے اور سنانے کا جو لطف آیا، وہ لطف قیمتی صوفوں اور بیش قیمت قالینوں پر بھی میسر نہیں آیا، یہی وہ شانِ فقر ہے جس کے آگے سطوتِ شاہی دبتی اور مجرموں کی طرح شرماتی نظر آتی ہے۔

کراچی میں "تحفظِ ختم نبوت" کا دفتر میرے مکان سے قریب ہی تھا جب بھی شاہ صاحب کراچی تشریف لاتے — انکی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا — ایک بار ان کا ملتان سے آنا ہوا، مجھ سے پہلی ملاقات میں فرمایا:۔

"آپکا لکھا ہوا افسانہ ابوذر (شاہ صاحب کے صاحبزادے) نے مجھے راستے میں سنایا تھا۔ افسانہ خوب تھا مگر افسانہ پھر افسانہ ہے اس میں جھوٹ ہی تو ہوتا ہے"۔

تقریباً ڈیڑھ سال ادھر کی بات ہے کہ میرا مظفر گڑھ کے مشاعرے میں جانا نکل آیا، وہاں آتے جاتے جناب صابر دہلوی کے یہاں ملتان ٹھہرنا ہوا۔ پتہ لگا کہ شاہ صاحب بیمار ہیں میں حاجی کرنالی صاحب

لو ساتھ لے کر تبھی شہر خان پہنچا وہاں جا کر پتہ لگا کہ شاہ صاحب لاہور تشریف لے گئے ہیں! ان سے نہ ملنے کا اس وقت بھی افسوس رہا اور اب جب کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہے یہ افسوس رنج و ملال میں بدل گیا میرا ہی شعر ہے۔

کیا کام اُسے معرکۂ تیغ و سناں سے
واعظ تو فقط زینت منبر کے لئے ہے

مگر شاہ صاحب ایسے واعظ تھے، جو منبر کی زینت بھی تھے، اور معرکۂ تیغ و سناں میں بھی کسی سے پیچھے نہ تھے، انگریز کے مستبد دَور میں حق گوئی کی بدولت جوانی کا آخری زمانہ اور اس کے بعد کے چند سال قید و بند کی مصیبت میں بسر کئے، چھوٹتے اور پھر گرفتار کر کے بند کر دیئے جاتے۔ یہ سلسلہ ایک دو نہیں اٹھارہ سال تک چلتا رہا۔ توپ، بندوق اور بم کے گولے تو گاندھی جی اور جواہر لعل نہرو نے بھی نہیں نہیں چھوڑے، انگریزی کی مخالفت اور اس کی پاداش میں جیل خانہ تمام آزادی پسند لیڈروں کا یہی حال رہا ہے! عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم قربانی اور آزادی کی جدوجہد کی منزل میں "مقدمۃ الجیش" سے بھی آگے نظر آتے ہیں۔

عشق رسولؐ انکی سیرت و کردار کا سب سے بڑا نمایاں وصف ہے، حضورؐ خاتم النبیین کی محبت ان کے مزاج و طبیعت میں رچی ہوئی تھی۔ قادیان کی جھوٹی نبوت کے خلاف انہوں نے "لسانی جہاد" کیا ہے بس یہی عمل خیر ان کی مغفرت کے لئے کافی ہے! (انشاء اللہ العزیز)

شاہ صاحب کو جو غیر معمولی شہرت ملی اور قبولِ عام حاصل ہوا اس کا سبب انکی خطابت تھی جس نے ان کی شخصیت کو ابھارا وہ بڑے حسین وجیہہ اور خوش شکل انسان تھے۔ سرخ سپید رنگ، خوب صورت ناک نقشہ، آواز میں درد اور لہجہ میں شیرینی، تقریر کرنے کے لئے اسٹیج پر آتے تو انکی صورت دیکھتے ہی لوگوں کے دل کھنچنے لگتے! سننے والوں کی دلچسپی کے لئے ہر چیز انکے پاس تھی شکل و صورت، آواز لہجہ، طرز ادا، شیرینی، نغمگی، طنز، لطیفے، چٹکلے کلام پاک کی تلاوت میں کس قیامت کا سوز اور درد تھا۔ ع

وہ پڑھیں اور سنا کرے کوئی۔

شعر پڑھنے کا انداز زیادہ دلنشین تھا۔ تقریر کرتے کرتے موضوع سے دور چلے جاتے تو ان کی خطابت کا زور اور بیان کی دل نشینی اس کا احساس بھی نہ ہوتے دیتی۔ وہ اپنی ذات سے سچ مچ